© rasailojaraid.com

۱۱

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ

شرعی قوانین، اضطراب اور تذبذب

اعتقادی اور عملی نفاق

اس ملک گیر عوامی احتجاج اور عظیم الشان جلسوں کے ساتھ (جس میں نظم و احترام، قانون اور سنجیدگی و وقار کا پورا لحاظ رکھا گیا) بورڈ کے ذمہ داروں نے وزیر اعظم ہند راجیو جی سے اور ان کے اشارہ و ہدایت سے جمہوریہ ہند کے وزیر قانون مسٹر اشوک سین اور ان کے رفقاء سے رابطہ قائم رکھا، انہوں نے راجیو جی سے دو تین مرتبہ شخصی اور خصوصی ملاقاتیں کیں اور آزادانہ و بے تکلفانہ فضا میں ان کو اس مسئلہ کی نوعیت و اہمیت، مذہبی و شرعی نقطۂ نظر اور اس سلسلہ میں مسلمانوں کے جذبات و تاثرات سے واقف کرانے کی مخلصانہ کوشش کی، راجیو جی نے بھی (جنکو یقیناً اس سلسلہ میں مسلمانوں کے اضطراب و بے چینی اور عظیم الشان جلسوں کی رپورٹ پہنچ چکی ہوگی) صبر و سکون اور احترام کے ساتھ یہ باتیں سنیں اور وہ اس بارے میں مطمئن (CONVINCED) ہوگئے کہ یہ مسلمانوں کا خالص مذہبی مسئلہ ہے اور اسکی صحیح ترجمانی وہی علماء کر سکتے ہیں، جن کا دین کا مطالعہ گہرا اور وسیع ہے اور وہ مسلمانوں کے نزدیک دین و شریعت کے صحیح ترجمان ہیں اور اس سے کوئی سیاسی فائدہ نہیں اٹھانا چاہتے چنانچہ انہوں نے ایک سے زائد بار اس کا اظہار کیا کہ انہوں نے اس مسئلہ پر نامور علماء سے تبادلۂ خیال کر لیا ہے اور وہ مطمئن ہیں کہ اسلام طبقۂ اناث (FEMALE SEX) بشمول مطلقہ خواتین کے حقوق کا پورا تحفظ کرتا ہے۔

اس سلسلہ میں یہاں تک ان کے الفاظ نقل کئے گئے ہیں کہ وہ موجودہ قانون سے بھی زیادہ ان کے حقوق کا تحفظ کرتا ہے اور ان کو حق دیتا ہے۔ وہ حقیقت پسندی، اخلاقی جرأت اور احساس ذمہ داری اور عزم و فیصلہ کے ساتھ مطلقہ خواتین کے حقوق کے تحفظ کا بل پارلیمنٹ میں لائے اور اس پر واضح اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طاقتور وہپ (WHIP) جاری کیا اور وہ ۶ مئی ۱۹۸۶ء کو تحفظ حقوق مسلم مطلقہ بل" کے عنوان سے کھلی اکثریت کے ساتھ پاس ہوا اور مسلمانوں نے ایک ایسی ملت کی طرح (جو صحیح و غلط تائید و مخالفت اور خلوص و سیاست میں فرق کرنے کی صلاحیت سے محروم نہیں ہوئی) اس شریفانہ اور جرأت مندانہ اقدام کا پوری فراخ دلی اور جذبۂ شرافت کے ساتھ اعتراف اور اپنے تشکر و امتنان کا اظہار کیا اور وزیراعظم صاحب کے نام ملک کے کونہ کونہ سے شکریئے کے تار آئے۔ بیرونی ملکوں کے بھی بعض موقر تنظیموں اور علمی مجلسوں نے شکریہ و تحسین کے تار بھیجے سعودی عرب، کویت، امارات اور برطانیہ کے عربی اخبارات و رسائل نے پہلی مرتبہ اس پر مسرت کا اظہار کیا اور حکومت ہند کی حقیقت پسندی کا اعتراف کیا۔

یہ واقعات کی منطق (LOGIC) اور حقیقت پسندی کا دانشمندانہ تقاضا تھا اس موقعہ پر ایک مشہور برطانوی ماہر قانون بوڈن ہیمر (E. BODEN HEIMER) نے "فلسفۂ قانون اور اس کی سماجی اہمیت" سے بحث کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے، وہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

"کسی قانونی نظام سے جس کا منشاء زندگی میں یکسانیت پیدا کرنا ہو، لوگوں کے ایک بڑے طبقہ میں یہ تاثر پیدا ہوتا ہو کہ ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا ہے تو اس قانون کو ٹوٹنے یا اس سے بچنے سے محفوظ رکھنا حکومت کے ذمہ داروں کے لئے انتہائی مشکل ہوگا، لوگ کسی ایسے قانون کو زیادہ دنوں تک برداشت نہیں کرسکتے جسے وہ نامناسب یا ناقابل برداشت سمجھتے ہوں) جو حکومت اس قسم کے نظام قانون کو برقرار رکھنے پر مصر ہو، اس کو نافذ کرنے میں سخت مشکلات کا سامنا کرنا ہوگا، اس لئے کوئی نظام جسکی بنیاد انصاف پر نہ ہو، غیر محفوظ اور پرخطر ہوگا جیسا کہ جان ڈکنسن (JOHN DICKENSON) نے کہا ہے، ہمیں کسی عام اور متعین ضابطہ کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ایسے ضابطہ کی جسکی بنیاد انسانی ضرورت اور صلاحیت پر ہو، ورنہ وہ نظام قابل عمل نہ ہوگا، یہ قانون منصفانہ اقدار، اندرونی رجحان کی خلاف ورزی کرے گا، ہمیشہ اس کی خلاف ورزی کی جائے گی اور اتنا ناپائیدار ہوگا کہ اس کا جواز ہی ختم ہو جائیگا۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس موقعہ پر اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری ہے کہ جہاں تک اس مسئلہ میں اتحادِ رائے اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ سے تعاون کرنے کا تعلق ہے، ملک کی تمام مسلم سیاسی و غیر سیاسی جماعتوں و تنظیموں اور مذہبی مکاتب خیال نے اس سے پورا اشتراک عمل اور تعاون کیا اور ان کے قائدین نے اس مشترک ملی مسئلہ سے پوری دلچسپی اور ہمدردی کا اظہار کیا اور ملک گیر دوروں میں شریک رہے۔

اس سلسلہ میں ناسپاسی ہوگی اگر ہم ان خاص شخصیتوں کا نام نہ لیں جنہوں نے پارلیمنٹ کے اندر اور پارلیمنٹ سے باہر پوری طاقت اور لیاقت کے ساتھ مسئلہ کی وکالت اور مسلمانوں کے جذبات کی نمائندگی کی، ان میں ارکانِ حکومت میں سے جناب ضیاء الرحمن انصاری صاحب اور ممبران پارلیمنٹ میں سے جناب محمود بنات والا صاحب خاص طور پر ملت کے شکریہ کے مستحق ہیں خواتین میں سے محترمہ نجمہ ہبۃ اللہ صاحبہ اور بیگم فخرالدین علی احمد صاحبہ اور بعض دوسری اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین نے اپنی دینی حمیت اور اسلامی مسائل سے دلچسپی کا ثبوت دیا اور اس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ صرف مردوں کا طبقہ ہی اس جدوجہد میں شریک اور اسلام کے عائلی قانون سے مطمئن نہیں، بلکہ اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین بھی اسلامی قوانین سے مسرور، مطمئن اور اس کی برتری و بہتری کی قائل ہیں۔

حضرات!

یہ دین جو ہم تک پہونچا ہے اور جس دولت کے ہم آپ امین اور (محافظ کا لفظ تو بڑا ہے) اس دولت کے حامل ہیں، وہ دین ہمیں دانشوروں، سماجی خدمت گاروں، اصلاحی کام کرنے والوں (REFORMERS) یا بانیان سلطنت کے ذریعہ نہیں پہونچا، یہ سارے گروہ قابلِ احترام ہیں لیکن کسی دین میں اور کسی تہذیب، نظام فکر، دبستان (SCHOOL OF THOUGHT) اور خالص مطالعہ، غور و فکر اور تجربہ کے نتائج میں ایک حدِ فاصل 'سرحدی لکیر (LINE OF DEMARCATION) ہوتی ہے جو ایک کو دوسرے سے جدا کرتی ہے، اس خط کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، حدِ فاصل یہ ہے کہ آسمانی مذاہب (ادیان) ان برگزیدہ افراد کے ذریعہ پہونچے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کے منصب سے سرفراز فرمایا تھا اور جن پر وحی آتی تھی، اس نکتہ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے خلط مبحث (CONFUSION) ہوتا ہے، زیادہ تر لوگ نادانستہ طریقہ پر ان مذاہب سے توقع اور بعض اوقات آگے بڑھ کر ایسی چیزوں کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جن کی ان مذاہب میں گنجائش اور ان کا کوئی جواز نہیں، وہ بعض اوقات ان کی تشریح کا فرض اپنے ذمہ لے لیتے ہیں، اپنی وسعت مطالعہ اور وسعتِ نظر کے اظہار کے لئے وہ مذاہب کی ترجمانی ایسی کرنے لگتے ہیں جیسے کہ یہ نرے فلسفے یا انسانوں کے بنائے ہوئے تہذیب و تمدن کے نظام اور سماجی تجربے اور معاشرتی نظریات ہیں، یہ ہے وہ غلطی جو نادانستہ طریقہ پر بعض بڑے ذمہ دار اور سنجیدہ لوگوں سے ہوتی ہے، وہ یہ نہیں جانتے کہ دین اور غیر دین میں حدِ فاصل اور امتیازی نشان کیا ہے؟ فلسفہ، سماجیات (SOCIAL SCIENCE) کا علم تہذیب و تمدن (CIVILIZATION) سوسائٹی اور انسانی معاشرہ، یہ سب اپنی جگہ حقائق ہیں، ہم ان کا انکار نہیں کرتے، ان کا احترام کرتے ہیں اور اپنے ذمہ ان کے حقوق سمجھتے ہیں، خود مسلم ملت ایک معاشرہ، تہذیب و تمدن اور فکر و دانش کا ایک مستقل مدرسہ (SCHOOL OF THOUGHT) بھی ہے لیکن اس کی جو اصل حقیقت ہے، وہ یہ ہے کہ وہ ایک "دین" ہے اور اس دین کو دنیا میں پیش کرنے والے اور اس کو بروئے کار لانے والے، اس کو ہماری زندگی میں داخل کرنے والے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام ہیں اور یہ ان کی زبان اور ان کا طرز فکر نہیں، اس کا بنیادی چشمہ ان کے دماغ میں نہیں تھا بلکہ ان سے باہر اور ان سے بلند تھا اور وہ ان کے لئے اسی درجہ قابلِ احترام اور قابلِ اطاعت تھا، جیسے ہمارے آپ کے لئے اور سارے امتیوں کے لئے۔

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی ۝ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۝ سورۃ النجم ۳-۴	اور وہ خواہش نفس سے منہ سے بات نہیں نکالتے ہیں، یہ (قرآن) تو حکم خدا ہے (اور ان کی طرف بھیجا جاتا ہے)
مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰکِنْ جَعَلْنٰہُ نُوْرًا نَّھْدِیْ بِہٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ط وَاِنَّکَ لَتَھْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ (سورۃ الشوریٰ - ۵۲)	آپ نہیں جانتے تھے کہ لکھنا پڑھنا کیا ہوتا ہے، ہم نے اس کو ایک نور کی طرح آپ کے سینہ میں اتارا اور اس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور بے شک (اے محمدؐ) تم سیدھا راستہ دکھاتے ہو۔

وحی و نبوت کا فرق اساسی فرق ہے، ہمیں غیر مسلم بھائیوں اور غیر مسلم فضلاء سے زیادہ شکوہ نہیں کہ وہ وحی و نبوت کے عہد سے اتنے دور ہو چکے ہیں کہ ان کے مفہوم سے بھی بہت سے حضرات نا آشنا ہیں، بعثت محمدی سے پہلے خود عربوں کا یہی حال تھا، اس میں نہ کسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذہانت کا انکار ہے اور نہ کسی کی نیت پر حملہ ہے، ایک تاریخی یا نفسیاتی تجزیہ ہے کہ جو شخص نبوت اور وحی کی حقیقت سے واقف نہیں اور یہ نہیں جانتا کہ اس کا کیا مرتبہ اور حق ہے اور اس کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں، وہ کس چیز کی متقاضی ہے، وہ مسلمانوں کے بارے میں مشورہ دینے یا فیصلہ کرنے کا اخلاقی یا قانونی طور پر مجاز نہیں۔

دوسری ضروری بات یہ ہے کہ دین اسلام کے دائرہ کو سمجھ لیا جائے۔ اس بارے میں مذاہب میں خود اختلاف ہے اور اس میں درجوں کا فرق ہے۔ کئی مذاہب ایسے ہیں کہ وحی و نبوت سے ان کا آغاز ہونے کے باوجود انہوں نے مذہبی زندگی کو ایک خاص دائرہ میں محدود کر لیا ہے مثلاً عبادات کے دائرہ میں، لیکن اسلام کا معاملہ یہ نہیں ہے، اسلام میں دین کا دائرہ پوری زندگی پر محیط ہے۔ یہ ایک اساسی حقیقت ہے جو عبد و معبود کے تعلق کو سمجھے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتی، ہر مسلمان خدا کا فرماں بردار بندہ ہے اور اس کا تعلق خدا سے دائمی ہے، عمومی ہے عمیق بھی ہے اور وسیع بھی ہے، محدود بھی ہے، جامع بھی۔ قرآن شریف میں ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ؁	"اے ایمان والو، اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے پیچھے نہ چلو، وہ تو تمہارا صریح دشمن ہے۔

(سورۃ البقرۃ ۲۰۸)

میں یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مسلمان اگر مسلم پرسنل لاء (شرعی، عائلی قانون) میں تبدیلی قبول کر لیں گے تو آدھے مسلمان رہ جائینگے، اس کے بعد خطرہ ہے کہ آدھے مسلمان بھی نہ رہیں، فلسفۂ اخلاق، فلسفۂ نفسیات اور فلسفۂ مذاہب کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ مذہب کو اپنے مخصوص نظام معاشرت و تہذیب سے الگ نہیں کیا جا سکتا، دونوں کا ایسا فطری تعلق اور رابطہ ہے کہ معاشرت مذہب کے بغیر صحیح نہیں رہ سکتی اور مذہب معاشرت کے بغیر موثر و محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ مسجد میں مسلمان ہیں (اور مسجد میں کتنی دیر مسلمان رہتا ہے، اپنے سارے شوق عبادت کے باوجود؟) اور گھر میں مسلمان نہیں، اپنے .. معاملات میں مسلمان نہیں، اپنے عائلی و خاندانی روابط و تعلقات میں مسلمان نہیں، حقوق کی ادائیگی اور ترکہ کی تقسیم میں مسلمان نہیں، اس لئے ہم اس کی بالکل اجازت نہیں دے سکتے کہ ہمارے اوپر کوئی دوسرا نظام معاشرت، نظام تمدن اور عائلی قانون مسلط کیا جائے، ہم اس کو دعوتِ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ارتداد سمجھتے ہیں اور ہم اس کا اس طرح مقابلہ کریں گے جیسے دعوتِ ارتداد کا مقابلہ کرنا چاہیئے اور یہ ہمارا شہری، جمہوری اور دینی حق ہے اور ہندوستان کا دستور اور جمہوری ملک کا آئین اور مفاد نہ صرف اس کی اجازت دیتا ہے بلکہ اس کی ہمت افزائی کرتا ہے کہ جمہوریت کی بقا اپنے حقوق کے تحفظ اور اظہار خیال کی آزادی اور ہر فرقہ اور اقلیت کے سکون واطمینان میں مضمر ہے۔

حضرات!

میں اجازت چاہتا ہوں کہ چند دن پیشتر (۲۲ر نومبر ۱۹۸۶ء) کو وارانسی کی صوبائی دینی تعلیمی کانفرنس میں میں نے جو خطبہ پڑھا تھا اس کا ایک اقتباس آپ کے سامنے پیش کردوں کہ وہ اس مسئلہ (مسلم پرسنل لا) سے بھی وہی تعلق رکھتا ہے جو مسلمانوں کی نئی نسل کی دینی تعلیم کے مسئلہ سے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ :۔

"آپ ایسے ملک میں ہیں جس میں اکثریت غیر مسلموں کی ہے، وہ جمہوری ملک ہے اور وہاں قانون ساز مجلسیں قانون بناتی ہیں۔ جب یہ ملک جمہوری ہے تو پارلیمنٹ ہی قانون بنائے گی اور جمہوریت کا یہ قاعدہ ہے کہ اکثریت کی رائے اور تائید سے قانون بنتا ہے، اس لئے ہر وقت اس کا خطرہ ہے کہ ایسے قوانین بنیں جو ہمارے بنیادی عقائد، مسلّمات، ہمارے جذبات اور ہماری ضرورتوں کے خلاف (بدنیتی سے کم اور ناواقفیت سے زیادہ) بنیں۔ یہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ وہاں مذہبی، تہذیبی اور لسانی بنیادوں پر جارحانہ احیائیت (AGGRESSIVE REVIVALISM) اور کلیت پسندی (TOTALITARIANISM) کی تحریکیں بھی زور و شور سے چل رہی ہیں۔ اب آپ کا کام یہ ہے کہ ایسے سیکولر اور جمہوری ملک میں اپنے ملّی تشخص کی حفاظت آئینی طریقہ پر کریں آپ ہندوستان کے وفادار، مفید، کارآمد اور اس کے ضروری جزو ہونے کی حیثیت سے اپنی افادیت و اہمیت ثابت کریں اور مطالبہ کریں کہ کوئی قانون ہماری شریعت، آسمانی کتاب اور ہمارے عقائد کے خلاف نہیں بننا چاہیئے۔ آپ اسی کے ساتھ یہ بھی ثابت کریں کہ خلاف شریعت قانون بننے سے آپ کو اس سے زیادہ اذیت ہوتی ہے اور آپ کا ملّی وجود اس سے زیادہ خطرہ میں پڑ جاتا ہے، جتنا کھانا روکنے سے، کوئی جمہوری حکومت کسی اقلیت اور کسی فرقہ کی غذائی ضرورتوں کو نہیں روک سکتی۔ کوئی حکومت چاہے کتنی ہی طاقتور ہو، یہ قانون نہیں بنا سکتی کہ فلاں فرقہ کو غلّہ کی فراہمی روک دی جائے یا بازار میں اس کو دکان کھولنے کی اجازت نہ دی جائے، یا اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے بچوں پر تعلیم اور تعلیم گاہوں کے دروازے بند کر دیئے جائیں، ایسا اگر ہونے لگے تو آپ قیامت برپا کر سکتے ہیں۔ آپ ثابت کر دیں کہ اس قانون اور اس نئے نظام تعلیم سے آپ کو ایسی گھٹن ہو رہی ہے جیسے مچھلی کو پانی سے نکال کر باہر رکھنے سے ہوتی ہے۔ آپ کے چہروں کے اتار چڑھاؤ، حرکات و سکنات سے معلوم ہو جائے کہ آپ کی صحت اور توانائی اور کارکردگی پر اثر پڑ رہا ہے اور یہ محسوس کر لیا جائے کہ یہ ایک مغموم قوم کے افراد ہیں، اس نئے قانون سے ان کا دم گھٹ رہا ہے اور یہ ان کی آئندہ نسل کے قتل کے مترادف ہے۔ یہ کام آپ کو خلوص کے ساتھ عملی طور پر ایسی کیفیات کے ساتھ کرنا ہوگا کہ ہر شخص اسٹیشنوں، پارکوں اور بسوں میں آپ کی بے چینی کو محسوس کرے۔ اگر آدھا نہیں تو کم از کم اس کا چوتھائی حصہ ثابت کرنا ہوگا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ایک ہفتہ بھی ایسا قانون نہیں چل سکتا۔ میں نے دنیا کے آئینوں اور دستور حکومت کا مطالعہ کیا ہے اور جمہوریتوں کی تاریخ پڑھی ہے، اس لئے میں یہ بات کہہ رہا ہوں۔

برادرانِ ملت!

اب میں اس مجمع کو ایمانی و قرآنی زبان میں خطاب کرنا چاہتا ہوں اور آپ کی عملی زندگی کا محاسبہ کرتا ہوں۔ آپ دیکھئے کہ آپ اسلامی و قرآنی قانون معاشرت کا خود کتنا احترام کرتے ہیں اس پر خاندانی روایات کو اور رسم و رواج کو کتنی ترجیح دیتے ہیں؟ اس پر اس کا اضافہ کیجئے جو آپ نے اپنے ہم وطنوں سے سیکھا ہے، جہیز کا بڑھا چڑھا مطالبہ ہم میں کہاں سے آیا؟ اس کو کسی نام سے یاد کیا جاتا ہو، یہ چیز کہاں سے آئی؟ مکہ، مدینہ حرمین شریفین سے آئی ہے؟ قرآن مجید کے راستہ سے آئی، یہ لعنت کہاں سے آئی؟ جب آپ اس کو قبول کرتے ہیں تو بطور سزا کے آپ کی غیرت ملی کو، آپ کے وجود ملی کو بار بار نشانہ بنایا جاتا ہے۔

میں ببانگ دہل اعلان کرتا ہوں کہ ہم لوگ (شرعی قانون میں قانون سازی کے ذریعہ مداخلت کی) جو شکایت کرتے ہیں، وہ شکایت بجا ہے، ہم شکایت کرتے رہیں گے اور شکایت کرنا ہمارا حق ہے، ایک جمہوری ملک میں جہاں قانون چلتا ہو، جہاں ہر شہری کو برابر کا حق دیا گیا ہو، وہاں ہر شہری کو اور شہریوں کی ہر تنظیم کو اور آبادی کے ہر عنصر کے نمائندوں کو یہ حق ہے کہ پارلیمنٹ (ایوان قانون ساز) میں اپنے قومی عوامی جلسوں میں، اپنی مجلسوں میں اور اخباروں کے کالموں میں وہ اس بات کی شکایت کریں کہ ہمارا فلاں حق نہیں مل رہا ہے، ہمارے ساتھ ناانصافی ہو رہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے، کوئی ملک جس کی جمہوریت پر بنیاد ہو، جو جمہوری ہو، اس کے بغیر نہیں چل سکتا، حقیقت پسند حکومتیں اس بات کا اہتمام کرتی ہیں کہ ان کے ایوان قانون ساز میں ایک حزب مخالف رہے، ایک اپوزیشن پارٹی ہو تاکہ اس کے ذریعہ حکومت کو اپنی خامیاں معلوم ہوتی رہیں اور اس کو ملک کی آبادی کو زیادہ مطمئن کرنے اور مطمئن رکھنے کا موقعہ ملتا رہے، اس لئے ہم اپنی حکومت سے شکایت کریں گے اور متوا بار کریں گے اور اس کو اس پر فخر کرنا چاہیئے کہ ہمارے ملک میں شکایت کرنے کا حق ہے، یہ حق سلب نہیں کیا گیا ہے، ہمیں اپنی آواز بلند کرنے کا حق ہے، ہم اسی میں ملک کی فلاح سمجھتے ہیں، وہ ملک خطرہ میں ہے جہاں زبان بندی کا قانون نافذ کیا جائے، جہاں کسی کو کراہنے اور آہ کرنے کی اجازت نہ ہو، اس لیئے ہمارے اس ملک کا یہ افتخار ہمارے اس ملک کی یہ خصوصیت باقی رہنی چاہیئے، ہم ہمیشہ اپنے آئین ساز بھائیوں سے اور ارکان حکومت سے، انتظامیہ (ADMIN) اور حکمراں جماعت سے شکایت کریں گے۔

لیکن جب ہم اہل حکومت اور برادران وطن سے شکایت کرتے ہیں تو ہمیں آپ سے شکایت کرنے کا حق کیوں نہ ہو؟ ان سے تو شکایت کرینگے اور ان کا دامن پکڑیں گے لیکن آپ کا گریباں پکڑ لیں گے اور وہ ہاتھ ہمارا ہاتھ نہیں ہوگا، وہ دینی احتساب کا ہاتھ ہوگا، وہ شریعت کا ہاتھ ہوگا جو آپ کا گریباں پکڑے گا اور کہے گا کہ پہلے تم اپنے گریباں میں منہ ڈال کر دیکھو کہ تم اس قانون پر کتنا چلتے ہو، تمہاری نگاہوں میں اس قانون کی کتنی حرمت ہے؟ تم جہاں اس قانون کو چلا سکتے ہو وہاں چلا رہے ہو کہ نہیں؟ تم تو اپنے گھروں میں اس قانون کو نہ چلاؤ اور حکومت سے مطالبہ کرو کہ وہ تمہارے قانون کو چلائے، اس کا احترام کرے؟

یہاں سے یہ عہد کر کے جائیے کہ اب قانون شریعت پر آپ چلیں گے۔ یہ جہیز کی کیا مصیبت ہے؟ لڑکے والوں کی طرف سے مطالبات کی ایک لمبی چوڑی فہرست پیش ہوتی ہے، شرائط پیش کیئے جاتے ہیں، ان کے پورا نہ ہونے پر یہ معصوم لڑکیاں جلا دی جاتی ہیں، ملک میں سینکڑوں واقعات پیش آتے ہیں، صرف دہلی میں ہر بارہ گھنٹے پر ایک نئی بیاہی دلہن کو جلا کر مار ڈالا جاتا ہے۔ کیا اس کائنات کے خالق اور نوع انسانی کے مربی (جس کی مخلوق مرد و عورت دونوں ہیں) کو یہ چیز گوارہ ہو سکتی ہے؟ کیا اس ظلم کے ساتھ کوئی ملک، کوئی معاشرہ پنپ سکتا ہے، خدا کی رحمت و نصرت کا مستحق ہو سکتا ہے؟ آپ رحمۃ للعالمین کی امت ہیں، آپ کے ہوتے ہوئے دوسروں کو بھی اس کی ہمت نہیں ہونی چاہیئے تھی۔ میں نے دہلی کے ایک جلسہ میں کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرماتا ہے کہ:۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۝ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ (سورۃ الانفال - ۳۳)

اور خدا ایسا نہ تھا کہ جب تک تم ان میں تھے، انہیں عذاب دیتا اور نہ ایسا تھا کہ وہ بخشش مانگیں اور انہیں عذاب دے۔

آپ رحمۃ للعالمین کی امت ہیں، آپ کے ہوتے ہوئے ہندوستانی سماج میں، ہندوستان کے معاشرہ اور سوسائٹی میں یہ ظلم ہو، اس کو عقل قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ آپ کے ہوتے ہوئے بھی یہ نہیں ہونا چاہیئے تھا چہ جائیکہ آپ کے ہاتھوں ہو۔ عہد کیجئے کہ آپ اسلامی طریقہ پر شریفانہ انسانی طریقہ پر شادی کا پیام دیں گے، آپ لڑکی مانگیں گے، اپنے لئے رفیقہ حیات کی تلاش کرینگے بیٹے کے لئے پیام دیں گے، جہیز کے لئے آپ کے بڑھے چڑھے مطالبات نہیں ہوں گے کہ ہمیں یہ ملنا چاہیئے، وہ ملنا چاہیئے، لڑکوں کو اور ان کے وارثوں اور بزرگوں کو اس کا عہد کرنا چاہیئے کہ ہم اپنے یہاں تو کیا، ہم اس ملک سے اس رسم کو ختم کردینگے۔

ایسا ہی ترکہ شرعی طریقہ پر تقسیم ہونا چاہیئے، نکاح شرعی طریقہ پر ہونا چاہیئے اور عورتوں کی بیویوں کی تعداد وہ ہی ہونی چاہیئے جو شریعت میں بیان کی گئی ہے۔ طلاق کا مسنون طریقہ معلوم کرنا چاہیئے، مسنون اور افضل طریقہ کیا ہے؟ پھر اس کے بعد فقہی طلاق جس سے طلاق واقع ہوجاتی ہے، اس کو سمجھنا چاہیئے کہ طلاق رجعی کیا ہوتی ہے؟ طلاق بائن و مغلظہ کیا ہوتی ہے؟ پھر اس میں طلاق کو آپ یہ سمجھیں کہ طلاق ابغض المباحات ہے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جائز ہے لیکن آخری درجہ کی چیز ہے، بڑی مجبوری کی چیز ہے جو اپنے کو حرام چیزوں سے اور زندگی کو تلخ بننے سے بچانے کے لئے بہت مجبوری سے دل پر پتھر رکھ کر اختیار کی جاتی ہے، یہ نہیں کہ طلاق ایک فیشن ہوگیا ہے، جو لوگ مسلمانوں کو یہ طعنہ دیتے ہیں، اس میں تھوڑی سی ہماری کوتاہی کو بھی دخل ہے، جتنا طعنہ دیتے ہیں اتنے کے مستحق تو ہم ہرگز نہیں ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ یورپ میں کیا ہوتا ہے؟ وہاں کا معاشرہ کس طرح برباد ہورہا ہے، وہاں ساری عمر ناجائز طریقہ پر جنسی تعلق قائم رکھنا جائز ہے۔ کوئی اس کو نہیں ٹوکتا لیکن طلاق دینا معیوب ہے اور اس میں ہزار قباحتیں ہیں، یہ کہاں کا انصاف ہے؟ ہم اپنے قانون سے ہرگز شرمندہ نہیں، ہم اس کے ایک ایک نقطہ کی ذمہ داری لینے کے لئے تیار ہیں، ہمارے علماء نے اس پر ایک کتب خانہ تیار کردیا ہے اور چند مہینوں سے آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ امارت شرعیہ بہار واڑیسہ اور اس کے

باقی ص ۵۹ پر

© rasailojaraid.com